ایک اجتماع ایک پلان

اپنی نوعیت کا منفرد اجتماع جو پہلے بھی تھا
اور وہی پھر آخری بھی ثابت ہوا۔

علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ کا ایک ایمان افروز خواب
جو شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے۔

جناب مولانا حکیم عبد الرحمٰن خلیق ۔ بدو ملہی

۱۸ مارچ کو علامہ احسان الٰہی ظہیر شہیدِ ملت نے اپنی قیامگاہ (۵/۴ شادمان کالونی لاہور) پر اپنی ذاتی حیثیت سے علماء اہل حدیث کا ایک اجلاس طلب کیا جو انکی زندگی کا بھی اور فی نفسہٖ خود بھی اپنی نوعیت کا منفرد اجلاس ہی تھا۔ علامہ مرحوم نے اس اجلاس میں جماعت اہل حدیث کے تشخص کو مزید بڑھانے اور دینِ حق کی اصل ہونے کی حیثیت سے مسلک اہلحدیث کے منفرد اور مستحکم مقام کو مزید نمایاں کرنے کے لیے جو پلان پیش کیا۔ وہ بھی ایک منفرد پلان ہی تھا۔

اور پھر اس اجلاس کے فیصلوں کو جس المناکی کا شکار ہو جانا پڑا وہ بھی کاتب تقدیر کے حیرتناک فیصلوں میں سے ایک منفرد حیرتناک فیصلہ ہی تھا اور بقول غالبؔ ؎

حریفِ جوششِ دریا نہیں خود داریٔ ساحل
جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا

علامہ مرحوم کا خط

یہ اجتماع اگر اپنے طے کردہ پلان کے خاکہ میں رنگ بھرنے کی مہلت پاتا تو یہ نہایت درجہ انقلابی کارنامہ ہوتا اور علامہ

مرحوم اگر اس بیل کو منڈھے چڑھا پاتے تو وہ مسلک اہل حدیث پر ایک غیر فانی احسان کر پاتے اس اجلاس کی اہمیت اور اس میں تشکیل پانے والے عزائم کی آفاقیت کا اندازہ کرنے کے لیے آپ پہلے حضرت علامہ مرحوم کا وہ خط بھی ایک نظر ملاحظہ فرما لیجئے جو انہوں نے اپنے دستخطوں سے جماعت کے کچھ اہل علم حضرات کے نام تحریر کیا تھا علامہؒ لکھتے ہیں۔

"بڑی مدت سے مرے ذہن میں یہ بات گردش کر رہی ہے کہ درپیش مسائل پر دنیا کے ہر بڑے علمی مرکز اور ہر بڑی علمی اور دینی جماعت کی مجالس فکر و نظر میں۔ بحث و تمحیص ہوتی ہے اور ان کے بارے میں اپنے نظریات کا اظہار کیا جاتا ہے اور لوگوں کو اپنے اجتہاد اور مسلکی موقف کے بارے میں آگاہ کیا جاتا ہے بدقسمتی سے پاکستان میں اس طرح کی کوئی چیز دیکھنے میں نہیں آتی۔

اور خاص طور پر اہل حدیث ایسی مسلکِ حق پر گامزن جماعت اس بارے میں ہنوز غفلت اور لاپرواہی کا شکار چلی آ رہی ہے جبکہ مسئلہ اجتہاد کے پرجوش حامی اور مؤید ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے عوام بالخصوص اور دوسرے مسلمانوں کے لیے بالعموم کتاب و سنت کی روشنی میں اہل حدیث کی ٹھوس علمی اور تحقیقی رائے کا اظہار بہت ضروری اور مفید ہے اور مستقبل قریب میں صرف وہی مسلک لوگوں کو متاثر کرے گا اور اپنے ساتھ لے کر چل سکے گا جو درپیش مسائل میں صحیح طور پر ان کی راہنمائی کا فریضہ سرانجام دے سکے۔

میرے ذہن میں اس وقت ایسے مسائل کی ایک لمبی فہرست ہے جن کے بارے میں لوگ جاننے کے متمنی ہیں اور ابھی تک کسی قابلِ ذکر ادارے اور جماعت کی طرف سے ان کی راہنمائی نہیں ہو سکی اور بالخصوص کسی ایک بھی اہل حدیث کی طرف سے ان پر لب کشائی نہیں ہوئی۔

میں نے اس سلسلے میں بڑی سوچ بچار کے بعد آپ سے راہنمائی کے لیے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ملک میں موجود جیّد اور ثقہ علمائے اہل حدیث کو خالصتاً ایک علمی اجتماع میں شرکت کی دعوت دوں تاکہ باہم مشورے سے کسی نتیجہ پر پہنچا جا سکے اور دین اسلام اور اس کے مسلک حق کی صحیح خدمت کرتے ہوئے لوگوں کو کتاب و سنت کی روشنی میں رہنمائی دی جا سکے۔ لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ آپ اس سلسلے کے پہلے انتہائی اہم اجتماع بتاریخ ۱۸ مارچ بوقت گیارہ بجے صبح میری رہائش گاہ واقع ۵، ۴ شادمان کالونی لاہور بالضرور شرکت فرما کر اپنی مسلکی دینی غیرت و حمیت کا ثبوت بہم پہنچائیں۔

مجھے یقین ہے کہ آپ اس بارے میں اپنی تمام مصروفیات اور مشغولیت کو بالائے طاق رکھ کر ابھی سے اس میں تشریف آوری کے لیے پروگرام طے کر لیں گے۔ میں آپ کے جواب کا شدت سے منتظر ہوں۔"

احسان الٰہی ظہیر

خط کے مندرجات سے ظاہر ہے کہ زیر بیان پلان کی تکمیل جماعت کے ان اصحاب علم و خبر اور ارباب فکر و نظر کا حصہ ہے جو قضا و افتاء کی صلاحیتوں کے امانت دار ہیں اور جن کا فکری و نظری تشخص جماعت کی انفرادیت کی ضمانت اور مسلکِ حق کا سرمایہ فخر و ناز ہے مگر مجھے نہیں معلوم کہ حضرت علامہؒ نے اس فقیر کو کیونکر اس لائق پایا کہ اعلیٰ سطح کے اس علمی اجتماع میں شرکت کا ایک دعوت نامہ ادھر بھی ارسال کر دیا۔

یہ فقیر عام طور پر مجالس میں حاضری کا قصد نہیں رکھتا کیونکہ جماعت کی تفریق نے لطفِ محفلِ شوق کو کرکرا کر رکھا ہے ؎

نہ پوچھ نسخہ مرہم جراحت دل کا
کہ اس میں ریزۂ الماس جزو اعظم کا

مگر علامہ مرحوم کا یہ خط اپنے اندر نہ صرف درد اور سوز کی کچھ زیادہ ہی مقدار سموئے ہوئے تھا بلکہ ان کی یہ احتیاط مزید وجہ کشش تھی کہ انہوں نے یہ خط اپنے معروف قانونی مقام سے ہٹ کر اپنی ذاتی حیثیت سے لکھا تھا۔ اس لیے حضرت کی اس درد بھری پکار کے جواب میں معذرت کی جسارت کو معصیت جانا اور ان کی حسب الطلب تعمیل ارشاد کی اطلاع ان کو بھیج دی کہ ؎

عجب کیا ہے یہ بیڑہ غرق ہو کر پھر اچھل آئے
کہ ہم نے انقلاب چرخ گرداں یوں بھی دیکھے ہیں

خط یا آئینہ سیرت

علامہ مرحوم کے اس خط کا سب سے زیادہ ایمان افروز پہلو یہ ہے کہ انہوں نے مسلک کی برتری کیلیے اپنے آپ کو جماعتی منصب سے الگ رکھ کر یہ خط اپنی ذاتی حیثیت سے لکھا ہے تاکہ ان کے جماعتی نظام سے باہر کے اہل حدیث علماء کو جن کی وابستگیاں جماعت کے دوسرے نظاموں سے ہیں ان کے ساتھ مل بیٹھ کر مسلک کی برتری کے وسائل و ذرائع دریافت کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ ہو پس جب وہ اس خط کو جماعت اہل حدیث کے ایک فرد کی حیثیت سے لکھتے ہیں تو اس طرح انہوں نے اپنی تنظیم سے باہر کے ان

اہل حدیث اہل علم سے قریبی رابطہ پیدا کرنے کی ایک معقول اور قابل تحسین سبیل پیدا کی ہے جو اگرچہ ان کے خاص جماعتی نظام سے تو منسلک نہیں مگر اہل حدیث ہونے کے ناطے سے جماعت کے بھلے برے میں برابر کے شریک ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کی یہ سوچ اُن کی نیک دلی، مسلک سے ان کی محبت، اُن کے ایثار، اُن کی حسن زینت اور ان کی فطرت کی صالحیت کا ہی ایک واضح ثبوت اور ایک تابندہ پہلو ہے۔

وہ اگر یہ خط اپنی جماعت کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے لکھتے تو جماعت کے دخل سے خط کا بوجھ بہت بڑھ سکتا تھا مگر اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ان کے طلب کردہ اس اجتماع کی افادی حیثیت سکڑ کر رہ جاتی اور اس کا آفاقی پہلو کمزور پڑ جاتا۔

خط کی مزید وضاحت

علامہ مرحوم نے اجلاس کے شروع میں اپنے خط کی مزید وضاحت کرتے خود بھی اپنی اس سوچ کا کھلے الفاظ میں اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ

"میں نے یہ خط اپنی جماعت کی طرف سے اس لیے نہیں لکھا ہے کہ جماعت کے وہ اہل علم حضرات بھی جن کو ہمارے خاص جماعتی نظام سے تو اختلاف ہے مگر وہ اہل حدیث کی حیثیت سے اپنے مسلک کی سچائی پر یقین رکھتے ہیں انہیں پوری جماعت اہل حدیث کی اس مشترکہ ضرورت کو حاصل کرنے کی مہم میں ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھنے میں کوئی اجنبیت محسوس نہ ہو۔

علامہؒ صاحب نے مزید بتایا کہ میں نے یہ دعوت فی الحال صرف پنجاب کے علماء تک ہی محدود رکھی ہے اور ان میں سے بھی صرف ۲۰ حضرات کو ہی زحمتِ سفر دی ہے جن میں سے چند ایک کے سوا تقریباً سارے حضرات ہی تشریف لے آئے ہیں اور جو نہیں آسکے انہوں نے معقول وجوہ سے عذر خواہی کی ہے

تاہم یہ صرف ابتدائی قدم ہے اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو جلد ہی اس پروگرام کو ملک گیر سطح تک وسیع کر دیا جائے گا۔

علامہؒ مرحوم نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اس مجلس کے لیے میں نے جن اہل علم کو دعوت نامے جاری کیے ہیں یہ صرف ایک تحریکی امر ہے ورنہ اہل علم کی یہ فہرست کوئی آخری فہرست نہیں ہے۔

آپ کے مشورہ سے ان سارے ہی اہل علم کو بلایا جا سکتا ہے جن کے متعلق آپ کو یقین ہو کہ وہ اس مجلس میں رائے دینے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہیں پس آپ جس شخص کو بھی اس مجلس میں شرکت کا اہل سمجھیں مجھے ان کا نام بتا دیں میں اگلی مجلس کے لیے ان کے نام دعوت نامے جاری کر دوں گا خواہ ان کا تعلق جماعت کے کسی بھی گروہ سے ہو کیونکہ درپیش مسائل پر غور و فکر جہاں میرا مسئلہ ہے وہاں یہ آپ کا اور ان سب کا مسئلہ بھی ہے۔"[۴۲]

اجتماع کا مقصد

اجتماع کے انعقاد کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے علامہؒ صاحب نے فرمایا کہ "ہمارے آج کے اس اجتماع کا مقصد آپ کو میرے دعوتی خط سے معلوم ہو چکا ہے۔

بات یہ ہے کہ انسانی زندگی کے اس ترقی یافتہ دور نے کچھ ایسے نئے نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں جن کا وجود پہلے نہیں تھا ان میں بعض ایسے مسائل بھی ہیں جو اگرچہ بہت دیر سے ہمارے معاشرہ کا حصہ ہیں مگر وہ انسانی زندگی میں پوری طرح دخیل نہیں تھے مثلاً ہمارا یہ بنکنگ کا نظام ہے جو بہت دیر سے موجود ہے مگر ان سے تعلق زندگی کا ناگزیر پہلو نہیں تھا جبکہ آج یہ نظام پوری دنیا پر محیط ہو چکا ہے اور کاروبار میں بھی۔ بین الاقوامیت آ جانے کی وجہ سے بنکوں سے تعلق پیدا کئے بغیر کاروبار کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جبکہ بنکنگ کا پورا نظام سود پر استوار ہوا ہے اور سود کو قرآن نے حرام قرار دیا ہے اب یہ بات سوچنے ہی والی ہے کہ کیا صورت پیدا ہو کہ ضرورت مند لوگ بنک سے استفادہ تو کریں مگر اس کے حرام سے بچ سکیں۔

ایسے ہی انشورنس کا نظام ہے جو زندگی کے بہت سے شعبوں کو تحفظ فراہم کرتا ہے اور ان کی سالمیت کی ضمانت پیش کرتا ہے

اسی طرح بانڈ ہے بیمہ ہے اور کچھ عرصہ سے انسانی اعضاءُ کا کاروبار بھی چل نکلا ہے۔ انسانی اعضاءُ کی منتقلی خون کا انتقال اعضا کی پیوندکاری، آنکھوں کے عطیہ جات آپریشن کی بعض صورتیں اور بہت سے دوسرے مسائل و امور ہیں جن سے تعلق پیدا کئے بغیر اس دور میں زندگی کی گاڑی کی سمت صحیح نہیں رہتی ایسے میں لوگ پوچھتے ہیں اور ان میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شامل ہیں اور مجھے اپنے بیرون ملک دوروں کے دوران ایسے بہت سے مواقع درپیش آتے ہیں کہ تم جو کہتے ہو کہ اسلام ایک کامل و اکمل دین ہے اور ہر دور میں ہی انسانی زندگی میں پیش آنے والے سارے ہی مسائل کا بہترین حل پیش کرتا ہے تو بتاؤ ان جدید مسائل کے بارے

میں اسلام کا موقف کیا ہے؟

اسلام کے نزدیک ان مسائل میں حرام و حلال جواز و عدم جواز کی حدود کیا ہیں؟

علامہ صاحب نے مزید بیان کیا کہ مجھ سے ان مسائل کے بارے میں بیرون ملک بعض غیر مسلموں نے بھی گفتگو کی اور مسلمانوں سے ایسے مواقع پیدا ہوئے اور میں نے اپنی صوابدید کے مطابق ان سب کو مطمئن کیا مگر یہ میرا ذاتی اجتہاد تھا میں اس کو اسلام یا اہل حدیث مسلک کا مسلمہ مؤقف قرار نہیں دے سکتا تھا۔

کچھ دوسرے اہل علم نے بھی ان مسائل کے بارے میں اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے اس کو اسلام کا مؤقف کہنا صحیح نہیں پس میری خواہش یہ ہے کہ پاکستان کے اہل حدیث علماء ایک جگہ جمع ہوکر اسلام کے ذخیرۂ رشد و ہدایت میں ان مسائل کا حل تلاش کریں تاکہ ہم اس حل کو اسلام اور مسلک اہل حدیث کے موقف کے طور پر پورے اعتماد سے لوگوں کے سامنے پیش کریں اسلام جب ہر دور میں ہی انسانیت کا مذہب ہے اور ہم اس کے علمبردار ہیں تو ہمیں اسلام کی طرف سے دورِ حاضر کے اس چیلنج کو قبول کرلینا چاہیئے۔

علامہؒ کا پلان

علامہ مرحوم نے مزید فرمایا کہ یہ امر موجب قلق ہے کہ دوسرے بہت سے اسلامی ممالک میں دینی مسائل میں ریسرچ کے سلسلہ میں باقاعدہ علمی اور تحقیقی مجالس قائم ہیں جن کی طرف وہاں کی حکومتیں تک رجوع کرتی ہیں مگر یہ ایک پاکستان ہی ہے جسے دین کے نام پر بنایا گیا تھا یہاں نہ حکومتی نہ غیر جماعتی کسی درجہ میں بھی ایسا کوئی اہتمام موجود نہیں ہے اور میں چاہتا ہوں کہ یہاں اس کام کو جماعت اہل حدیث اپنے ذمے لے اس باب میں میری تجویز یہ ہے کہ ہمارے اہل علم جمع ہوکر پہلے تو درپیش جدید مسائل کا استقصا کریں پھر ہر ہر مسئلہ پر بحث و تمحیص کا الگ الگ اہتمام کیا جائے۔

میں نے اس غرض سے یہ طریق کار سوچا ہے کہ اس مہم کی تکمیل کے لیے اہل علم حضرات مناسب وقفہ سے جمع ہوتے رہیں اور اپنی ہر نشست میں باری باری ایک ایک مسئلہ زیر بحث لائیں

(اس مرحلہ پر یہ بات طے پائی کہ دو نشستوں کا یہ درمیانی وقفہ ایک ماہ کا ہوگا)

علامہ صاحب نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا تھا کہ اب جب ایک اجتماع کے بعد دوسرے اجتماع تک کا وقفہ ایک ماہ طے پاگیا ہے تو میری سوچ کے مطابق اہل علم کو ہر ماہ ایک غور طلب مسئلہ سپرد کر دیا جائے اور وہ مہینہ بھر اس پر پوری تسلی سے محنت کریں اس کے تمام پہلوؤں پر غور کریں۔ ایک ایک شق کو کتاب و سنت کے ترازو میں اتاریں اسے کتاب و سنت کی محک پر

پرکھیں اور اپنی تحقیق کی روشنی میں دلائل کی جمع وترتیب کریں۔ پھر اپنی اس تحقیق کو اگلے اجلاس میں اپنے شریک مجلس ساتھی علماء کے سامنے پیش کریں جہاں مزید بحث طلب امور پھر زیر بحث آئیں گے۔

دلائل کے باہمی مبادلہ اور ان کے تقابلی جائزہ مخالف وموافق نظریات پر باہمی بحث وتمحیص کے نتیجہ میں شرکاء مجلس جس بات پر اتفاق رائے سے جمع ہو جائیں اسے کتاب وسنت کے مطابق اور اہل حدیث کے مؤقف کے بطور قبول کر لیا جائے اس طرح ہم ہر مہینے کم از کم ایک جدید مسئلہ کو پورے اعتماد و ایقان کے ساتھ مشرف بہ اسلام کر سکیں گے ہمارے فتاوی کی بنیاد پھر اسی مسلمہ مؤقف پر استوار ہو گی اور اس طرح ہمیں دور حاضر کی جدیدیت کا چیلنج قبول کرنے میں بھی کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہ سکے گی انشاء اللہ۔"

انہوں نے مزید فرمایا کہ "بلاشبہ اس مہم کی تکمیل میں ہمارے علماء کو بہت زیادہ محنت کرنا ہو گی۔ اور اجتماعات کے باقاعدہ انتظام و انصرام پر بہت سے اخراجات بھی اٹھیں گے مگر میں سمجھتا ہوں یہ کوئی زیادہ مشکل امر نہیں ہے جہاں تک اس سلسلہ کے اخراجات کا تعلق ہے وہ میں اپنے ذمہ لیتا ہوں اور جہاں تک محنت کا تعلق ہے میں ہر مرحلہ پر آپ کے ساتھ شامل رہوں گا اور آپ کو اگر اپنے فرض کی تکمیل کے لیے کسی خاص کتاب کی ضرورت ہو گی تو میری لائبریری جو لاکھوں کتب پر مشتمل ہے سب کی سب آپ کے لیے حاضر ہے آپ جب چاہیں اس سے استفادہ کر سکتے ہیں"

علامہ مرحوم نے یہ پیشکش بھی کی کہ "آپ اگر برا محسوس نہ کریں۔ تو مجھے اجازت دیں کہ ان ماہ بماہ اجتماعات میں شرکت پر اٹھنے والے آپ کے تمام اخراجات بھی میرے ذمے ہوں گے بلکہ اگر کوئی بزرگ یہاں کسی دوسرے صوبے سے بذریعہ ہوائی جہاز بھی تشریف لائیں گے تو ان کے فضائی سفر کے تمام اخراجات بھی میں ہی ادا کروں گا۔

(تاہم حضرت علامہ مرحوم کی یہ اخلاص بھری پیشکش ان کے انتہائی شکریہ کے ساتھ انہیں لوٹا دی گئی)۔

ایک لطیفہ

مجلس میں ایک مرحلہ پر حضرت علامہؒ نے یونہی برسبیل تذکرہ اہلحدیث علماء کا شکوہ کیا کہ میرا جو انٹرویو، قومی ڈائجسٹ میں شائع ہوا ہے اس نے پورے پاکستان کے اہل فکر کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی ہے اور حد یہ ہے کہ حنفی مکتب فکر کے چند علماء پر مشتمل ایک وفد میرے پاس آیا انہوں نے جہاں میرے خیالات کی تحسین کی وہاں اس خواہش کا اظہار بھی کیا

کہ ہمیں یہ انٹرویو اپنی جانب سے شائع کر کے تقسیم کرنے کی اجازت دی جائے مگر ہمارے اہلحدیث اہل علم میں سے کسی ایک نے بھی اس بارے میں مجھ سے رابطہ قائم نہیں کیا اس پر ایک بزرگ نے یہ فرما کر علامہؒ کا قلق دور کر دیا کہ ہمارے اکثر علماء تو خود اپنے جماعتی ہفت روزے تک پڑھنے کی فرصت نہیں پاتے وہ قومی ڈائجسٹ میں آپ کا انٹرویو پڑھنے کہاں جا سکتے تھے اس پر ساری محفل کھکھلا گئی ۔

ٹھیک ایسے ہی جب حضرت علامہؒ نے کہا کہ ہر ماہ ایک جدید مسئلہ علماء کے سپرد کر دیا جائے گا تو اس پر انہیں بتایا گیا کہ ان جدید مسائل میں سے بہت سے مسائل تو ہمارے اکثر علماء کے علم میں بھی نہیں آئے اور وہ ان کے بارے میں سرے سے کچھ نہیں جانتے وہ ان کے بارے میں کیونکر رائے دے سکتے ہیں جب تک انہیں زیر غور مسئلہ کا تفصیلی تعارف حاصل نہیں ہوگا۔

اس مشکل کو حضرت علامہؒ نے یہ فرما کر حل کر دیا کہ یہ بات بھی میرے ذمے رہی۔ میں جب ہر ماہ اپنے اہل علم بزرگوں کو اگلے اجلاس میں زیر غور آنے والے مسئلہ کے بارے میں بذریعہ ڈاک اطلاع دوں گا تو ساتھ ہی مسئلہ کی تفصیلات، اس کے قابلِ توجہ اور بحث طلب پہلوؤں کی نشاندھی بھی کر دیا کروں گا

کمپیوٹر

اس مرحلہ پر حاضرین حضرت علامہؒ مرحوم کی زبان سے یہ مژدہ جانفزا سن کر مسرت سے اچھل پڑے کہ انہوں نے ان اجتماعات کی تفصیلی بحثوں کو محفوظ رکھنے کے لیے اردو زبان میں کام کرنے والا ایک کمپیوٹر بھی خرید لیا ہے جو دو کروڑ اردو الفاظ کو اپنے اندر جمع رکھ سکتا ہے اور حضرت علامہؒ نے مزید یہ فرما کر حاضرین کو کیف و سرور میں گم کر دیا کہ انہوں نے ۲۰ لاکھ روپے کی عظیم و خطیر رقم کی یہ مشین خود اپنے ذاتی روپے سے خریدی ہے اور اس رقم میں نہ کسی ادارے کا حصہ ہے نہ کسی حکومت کا مزید فرمایا کہ میں نے یہ رقم مسلک کی خدمت کے لیے صرف کی ہے

اور یہ مشین اب مسلک کی خدمت کے لیے ہی وقف رہے گی کمپیوٹر کی کارکردگی اور اس کی کار برآوری کی تفصیل بتاتے ہوئے حضرت علامہؒ نے بتایا کہ کمپیوٹر سے کام لینے کے لیے دو اصحاب علم و خبر کو با تنخواہ مامور کیا جائے گا جو کمپیوٹر میں محفوظ طویل بحثوں میں ان نکات کو الگ کریں گے جن کو مجلس نے اہل حدیث کے مؤقف کے بطور قبول کیا ہے۔

یہ نکات ایک دستاویز کی صورت میں یکجا کر کے ایک بار پھر علماء کی مجلس میں پیش کیے

جائیں گے اور اس بات کی تسلی کی جائے گی کہ آیا طے شدہ مؤقف کے باب میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت تو نہیں پھر علماء حضرات اس دستاویز پر اپنے تصدیقی دستخط ثبت کریں گے اس کے بعد حضرت علامہؒ اس دستاویز کو زیر بحث مسئلہ پر اہل حدیث کے قانونی مؤقف کی حیثیت سے شائع کر دیا کریں گے۔

حاضرین کا ردعمل

علامہ مرحوم کی اس ایمان افروز اور روح پرور بات کی تکمیل تک پورا ماحول ان کے اخلاص و ایثار ان کے جذبہ خدمت مسلک اور ان کے عزم محکم کی مشام نواز اور کیف بار خوشبو سے معطر و متکیّف اور ایمان و ایقان کی شعاع ہائے نور سے منور ہو چکا تھا۔ زبانیں ان کے لیے وقفِ دعا اور دل ان کے ایثار پر نثار تھے۔

حضرت علامہؒ کی سوچ اور ان کے عزم کی ہر طرف سے بھرپور تائید کی گئی اور پورے ایوان نے انتہائی گرمجوشی سے ان کی طرف سے چلائی جانے والی مہم میں ہم کے سر رخ پر ہی دل کی گہرائیوں سے تعاون کا یقین دلایا۔

علامہ مرحوم نے حاضرین کو یہ اختیار دیا تھا کہ اگر کوئی صاحب ان کے پیش کردہ پلان میں کوئی مفید مطلب ترمیم پیش کر سکیں تو وہ ان کا خیر مقدم کریں گے مگر سب نے ان کے پلان کو علیٰ حالہٖ قائم رکھنا ہی پسند کیا۔

علامہؒ صاحب نے اس مرحلہ پر حاضرین کو بتایا کہ میرا زیر تعمیر دفتر بفضل تعالیٰ تکمیل کو پہنچ گیا ہے اور امید ہے کہ ہمارا اگلا ماہانہ اجتماع وہیں منعقد ہوگا ان شاء اللہ۔

علامہ کی سیرت کے بعض اُجلے نقوش

اس اجتماع کا اوّل بھی حسن تھا اور آخر بھی حُسن ہی تھا

یہ محفل جتنی ساعتیں جمی رہی حسن و رنگ میں ہی کھوئی رہی۔

اصل مسئلہ بھی جاری تھا اور حضار مجلس علماء و حفاظ و قرّا کے سخنہائے دلپذیر کے جواہر پارے بھی بٹتے رہے حقائق و معارف کے لولوئے لالہ بھی لٹائے جاتے رہے کتاب و سنت کے پھول بھی کھلتے رہے اور ریاض رسولؐ کے بلبل بھی چہکتے رہے۔

یہ محفل کیا تھی ایک دریائے نور تھا جو دلوں کی خشک کھیتوں کو سیراب کر رہا تھا عرش و فرش کی روایتوں اور گل و بلبل کی حکایتوں سے ماحول سے مقدار شگفتگی کا یوں عکاس تھا بکہ اللہ اللہ ے

لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے جنگ
یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے

اس مجلس میں علامہ احسان الٰہی ظہیر مرحوم کی سیرت کے بعض ایسے روشن پہلو بھی سامنے آئے جو شاید اس تقریب کا ہی حصہ تھے اور جو اس کے بغیر کبھی سامنے نہ آتے اور مشیت ایزدی نے شاید اس غرض سے یہی وقت طے کر رکھا تھا مجلس کے اندر علامہؒ کی سیرت کا کوئی نظر افروز شگوفہ جب اچانک پھوٹ پڑتا تو مجلس کے حسن و رنگ کا نکھار مزید بڑھ جاتا اور محفل کی دلکشی میں اضافہ ہو جاتا۔

ذیل میں ہم ان کی سیرت کے چند ان حسین پہلوؤں کا ذکر کریں گے جو اس تقریب میں بغیر کسی تجسس اور تلاش کے سرِ راہ ہی اُچھل آتے

علامہ کا ذوق

جماعت کے اخبارات کا ذکر آیا تو بڑے قلق کا اظہار کیا کہنے لگے افسوس ہے کہ ہمارے جماعتی اخبارات میں ذوق کی تسکین کا کوئی سامان نہیں ہوتا۔ جماعت کے ہفت روزوں، اہل حدیث، الاعتصام اور الاسلام میں سے کس کی بات کروں ان میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جس کا مطالعہ پڑھنے والے کے شوق مطالعہ کو تحریک کرے۔ مجھے ان کے مطالعہ کی کبھی رغبت نہیں ہوتی کیونکہ ان کے مطالعے سے قاری کو کوئی نئی چیز نہیں ملتی سطحی جمع و ترتیب بھرتی کے مضامین اور دوسروں سے نقل در نقل میں آخری کشش والی کونسی بات ہے۔ خود مرے اپنے ماہنامے "ترجمان الحدیث" کا بھی یہی حال ہے کتنے برسوں سے مجھے اس کے مطالعے میں بھی کوئی رغبت نہیں رہی ہے کیونکہ اس کا حال بھی ہمارے ہفت روزوں سے کچھ بھی مستغائر نہیں ہے اس میں میری اپنی کوتاہی کا بھی دخل ہے کہ میں بہت سے دوسری علمی مصروفیات کے سبب اس پر توجہ نہیں دے سکا۔ تاہم اب میں نے پختہ عزم کر لیا ہے کہ ترجمان الحدیث کو اپنی توجہ کا مرکز بناؤں اور کم از کم اسے ضرور ایک معیاری ماہنامہ کی سطح پر لے آؤں۔ اس مرحلہ پر حضرت علامہؒ نے اس فقیر کی نگارشات کے بارے میں اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔

غیرت مندی

ایک مرحلہ پر خوشامد کا ذکر آیا تو اس مرد درویش کی گفتگو میں شاہوں کی جلالت در آئی۔ کہنے لگے میں نے اپنی پوری زندگی کبھی کسی کی خوشامد نہیں کی اگرچہ مجھے اپنی اس عادت کی وجہ سے بارہا نقصان بھی پہنچا مگر میری غیرت

نے خوشامد کی ذاتی منافع پر نقصان کو قبول کیا اور اس پر مجھے کبھی پشیمانی نہیں ہوئی۔

یہاں پاکستان کی حکومت نے مری کتاب "بریلویت" کو بلاجواز ہی ضبط کر رکھا ہے لیکن اگر حکومت کو اس بات کا انتظار ہے کہ اپنی کتاب کو آزاد کرانے کے لیے احسان الٰہی ظہیر درخواست پیش کرے تو اس کی یہ خواہش اس کی حسرت ہی بنی رہے گی

سعودی عرب میں میری کتاب "الشیعہ والسنۃ" پر پانچ سال تک پابندی عائد رہی ہے میں اگر چاہتا تو مملکت سعودیہ کے فرمانروا شاہ فہد کو صرف ایک خط لکھ کر اپنی کتاب کو آزاد کرا سکتا تھا میرے ان سے گہرے ذاتی مراسم بھی تھے مگر میری غیرت نے گوارا نہ کیا کہ انہیں اس بارے میں ایک خط بھی تحریر کروں۔

بریلویت" پر اگر پاکستان میں پابندی ہے یا الشیعہ والسنۃ کو اگر حکومت سعودیہ نے ناپسند کیا تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے یہ دونوں کتابیں دوسرے اسلامی ممالک میں لاکھوں کی تعداد میں طبع اور تقسیم ہو رہی ہیں۔

حکومتیں کتابوں پر تو پابندی عائد کرسکتی ہیں مگر ان کی مقبولیت پر پابندی عائد کرنا حکومتوں کے بس کی بات نہیں ہے۔ کتابوں کے متعدد ایڈیشن شائع ہو رہے ہیں اور بدستور ہوتے رہیں گے صرف ایک انڈونیشیا میں ہی الشیعہ والسنۃ کے پانچ ایڈیشن طبع اور تقسیم کے مرحلہ سے گزر چکے ہیں۔

مخالفین کی خوبیوں کا اعتراف

اپنے مخالفین سے انصاف روا رکھنا بڑا مشکل کام ہے مگر علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ کی سیرت کے اس تابدار رخ نے مجھے بہت متاثر کیا کہ وہ اپنے مخالفین کی خوبیوں کا کھلے دل سے اور برملا اعتراف کرنے میں اپنی کوئی سبکی محسوس نہیں کرتے تھے۔

یہ بات سب کو ہی معلوم ہے کہ جماعت اہل حدیث پاکستان کے دو بڑے دھڑے قائم ہیں ایک دھڑے کے قائد میاں فضل حق صاحب ہیں اور اس دھڑے کی امارت مولانا معین الدین صاحب لکھوی کے سپرد ہے۔

دوسرے دھڑے کے قائد علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ تھے اور امارت کا اعزاز مولانا محمد عبداللہ صاحب گوجرانوالہ کو حاصل ہے

پوری جماعت اور خود دونوں دھڑوں کے قائدین و امراء کی خواہش کے باوجود بھی ابھی تک

ان دونوں کے مل بیٹھنے کی کوئی صورت دریافت نہیں ہوسکی۔ اس مجلس میں ایک موقع پر کسی بزرگ نے علامہ مرحوم کو ان کی بے تکان کارکردگی اور کام میں بے اندازہ لگن پر خراج تحسین پیش کیا تو فرمایا

‘‘کہ یہ میرے رب کریم کا مجھ پر خصوصی احسان ہے اور میں اس احسان کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا مگر میں نے یہ بے تکان اور لگن سے کام کرنا چار ایسے حضرات سے سیکھا ہے جن سے میری نفرت قائم ہے۔ ان میں سے ایک تو میاں فضل حق صاحب ہیں جو بقید حیات ہیں اور دو حضرات حاجی محمد اسحاق حنیف اور شیخ محمد اشرف فوت ہو چکے ہیں۔

علامہ نے بات ختم کی تو کسی نے سوال کیا چوتھے بزرگوار کون ہیں؟ کہنے لگے چھوڑیئے ان کا نام لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ ’’

انتہائی باخبر قائد

اہل سیاست کا اپنے گردوپیش کے ہر نوع کے حالات سے باخبر رہنا ان کی سیاست کی پہلی ضرورت ہے اور ہمارے ہاں ایسے سیاستدان تو بکثرت پائے جاتے ہیں جو اپنے حلقۂ سیاست میں اپنے گردوپیش اور اپنی ہیئت حاکمہ کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں مگر ایسے لوگ ہمارے ہاں بہت کم ہیں جن کی آنکھ سیاست کے بین الاقوامی کھلاڑیوں کی خوفناک سازشوں ان کی اسلام دشمن سرگرمیوں عالم اسلام کے خلاف ان کی معاندانہ کارروائیوں کو بھی اپنے ماڈار علم وخبر کے آئینہ میں پوری ہوشمندی سے دیکھ رہی ہو۔ اور ہمارے یہ علامہ احسان الٰہی ظہیر آخر الذکر ارباب سیاست میں ہی داخل تھے۔

امریکہ روس۔ اسرائیل بھارت اپنے اپنے مفادات کے زیر اثر ایک دوسرے کے خلاف تصادم تک پر آمادہ رہنے کے باوجود اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جس طرح متحد ہیں اس عنوان سے علامہ مرحوم کو وسیع معلومات حاصل تھیں اور مشرق وسطیٰ میں کھیلا جانے والا سیاسی کھیل تو اپنے ہر رخ سے ان کی بساط سیاست پر ایک مہرے کی طرح جانا پہچانا تھا۔

مشرق وسطیٰ کے مسلمان ممالک کے سربراہوں کی سوچ اور ان کی سرگرمیوں کے بارے میں علامہ مرحوم کی رسائی کی حدود کا اندازہ کرنے کے لیے صرف یہ ایک واقعہ ہی کفایت کرتا ہے جو یونہی برسبیل تذکرہ ہی ان کی زبان پر اچھل آیا۔ عملی دنیا میں اہل حدیث کی مشکلات کا ذکر آیا تو کہنے لگے دور کی بات تو چھوڑیئے اہل حدیث کے مستقبل کو ہمارے قریب مشرق وسطیٰ کے اسلامی ممالک میں بھی جس درجہ بوجھل رکاوٹیں درپیش ہیں آپ یہاں بیٹھے ان کا اندازہ نہیں کرسکتے الحدیث

کا قصور یہ ہے کہ ان کا مسلک بے حد سادہ ، صاف ستھرا اور بآسانی فہم میں اتر جانے والا ہے بنا بریں جہاں بھی پہنچا ہے اسے قبول عام حاصل ہوا ہے اور اس کے اسی قبول عام نے اہل حدیث کو ان قوتوں کا بھی محسود بنا دیا ہے جن سے اہلحدیث بے حد محبت رکھتے ہیں .

چنانچہ مشرق وسطےٰ کے ایک مسلمان فرمانروا نے اپنے دوسرے ہمعصر فرمانرواؤں کے نام ایک مکتوب میں انہیں سلفی المسلک مسلمانوں سے احتیاط کی تاکید کی ہے اور لکھا ہے کہ مشرق وسطیٰ میں ان لوگوں کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ کی وجہ سے آپ کو ان کے مینافک ـ سے جو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے وہ کسی مخالف اسلام قوت کی جارحیت سے کہیں زیادہ ہے لیکن جہاں تک اپنے ملک کا تعلق ہے علامہ مرحوم ملک اور اس کے سربراہوں بڑے بڑے حکام اور وزراء کے راز ہائے دروں پردہ سے اتنی گہری آگاہی رکھتے تھے کہ یہ لوگ اپنی کرتوتوں کا راز کھل جانے کے خوف سے علامہ مرحوم سے ہمیشہ آنکھیں جھکاتے تھے اور مونچھیں نیچی کر لیتے تھے .

حوصلہ مندی اور بردباری

اس اجتماع میں علامہ مرحوم کی حوصلہ مندی اور بردباری کو بھی ابتلا کا شکار ہو جانا پڑا مگر مجھے یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ پیش آمدہ حالات میں بالآخر علامہ مرحوم کی بردباری اور حوصلہ مندی کو ہی غلبہ حاصل رہا آج کی مجلس میں دو بزرگ آداب مجلس کے خلاف از اول تا آخر تقریباً لیٹے ہی رہے ان میں سے ایک بزرگ کا عذر تو ان کی علالت تھی اور ظاہر ہے یہ ایک معقول عذر تھا مگر دوسرے بزرگ علیل نہیں تھے بلکہ صرف خود کو جلیل سمجھنے کے رشتے لاپرواہی سے ہی لیٹے رہے جبکہ وہاں بہت سے لوگ ایسے تھے جو اپنے علم اور تقویٰ دونوں کے اعتبار سے ہی ان پر فائق تھے علامہ مرحوم کی نگاہ بار بار ان کی طرف اٹھتی رہی مگر وہ بار بار ہی اپنی نظر پھیر لیتے رہے .

کچھ دوسرے امور و مسائل

ایک مرحلہ پر اس فقیر نے مجلس میں بات اٹھائی کہ مسلک اہل حدیث کے خلاف مخالفین نے قلمی مہم جاری کر رکھی ہے انتہائی خطرناک ہے ہمیں بھی اس کے جواب میں بطور ایک مہم کے ہی کام کرنے کی ضرورت ہے جبکہ ہمارے محاذ پر اگر مکمل نہیں تو بڑی حد تک سکوت طاری ہے اور ہم نے جماعتی حیثیت سے اس عنوان سے کبھی غور نہیں کیا .

علامہ مرحوم نے اس ضرورت کی اہمیت پر کم و بیش دس منٹ تک تبصرہ کیا اور بتایا کہ ہمارے ہاں کی یہ کوتاہی اور غفلت کوئی تازہ حادثہ نہیں ہے بلکہ ہم گزشتہ اڑھائی تین صد سال سے ہی

اس کوتاہی اور غفلت کا شکار چلے آرہے ہیں جبکہ اس عرصہ میں مخالف مسلک اہل قلم نے ہمارے مسلک کے خلاف اپنی تحقیقات کا ایک بڑا انبار تاریخ کے سپرد کر دیا ہے۔

آپ نے اس عزم کا اظہار کیا کہ یقیناً یہ کام بھی ہمارے کرنے والے کاموں میں ایک فہرست کام ہے اور جماعت اس باب میں اپنا بہترین فرض ادا کرے گی ایک صاحب نے فرمایا اصل یہ ہے کہ ہمارے ہاں لکھنے والوں کی کوئی کمی نہیں اصل کمی وسائل کی ہے جس کی وجہ سے اہل حدیث حلقوں میں یہ مہم بار آور نہیں ہو سکی۔

علامہ مرحوم نے اس کا لب برداشتہ جواب دیا کہ وسائل کی کمی کوئی عذر نہیں ہے اگر کوئی ہمت کرے تو وسائل اللہ تعالیٰ خود پیدا کر دیتے ہیں اور میں نے اللہ تعالیٰ کی عنایت کا یہ رخ اپنے حق میں کھلی آنکھوں دیکھا ہے۔

علامہ مرحوم کی موعظت اثر سرگزشت

علامہؒ اس وقت بڑے خوشگوار موڈ میں تھے انہوں نے اپنی زندگی کے بعض دلچسپ لطیفہ اثر اور موعظت وغیرت سے بھرے واقعات اس مرحلہ پر سنائے، فرمانے لگے میں جب مسجد چینیانوالی میں نیا نیا خطیب مقرر ہوا تھا تو ضرورت پڑنے پر میں عربی زبان کو اپنی مادری زبان کی طرح ہی بولتا تھا۔

شیخ محمد اشرفؒ صاحب جو مسجد کے ناظم الامور تھے مجھے اکثر ہی کہتے کہ تم محض باتونی آدمی ہو اور عربی بول کر ہم پر اپنی عربی دانی کا رعب جماتے ہو کوئی علمی کام کرو جس سے دوسرے فائدہ اٹھا سکیں نری باتوں سے کیا ہوتا ہے۔

علامہ مرحوم نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید بتایا کہ شیخؒ صاحب مجھ پر یہ لطیفہ بھی جھاڑا کرتے تھے کہ ہمارے محلے میں ایک مائی تھی بڑی لڑاکی تھی کوئی اس سے آنکھ نہ ملا سکتا تھا مگر وہ صرف محلے ہی میں شیر تھی جب کبھی اس کا کسی غیر سے دنگل پڑتا تو طرح دے کر نکل جاتی تھی۔

کہنے لگے کہ پھر یہ بھی ایک لطیفہ ہی ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ بعد میں وہاں پہنچ گیا جس کی شیخ صاحب کو تمنا تھی اور شیخؒ صاحب وہاں پہنچ گئے جہاں وہ مائی کھڑی تھی میں نے جب تک قلم نہیں سنبھالا تھا شیخؒ صاحب میرے سر چڑھے رہے مگر جونہی میں نے قلم ہاتھ میں لیا تو ایک کے بعد دوسری پھر تیسری چوتھی پانچویں چھٹی یعنی تصنیف کے بعد تصنیف چلی آنے لگی اب جو میں نے مڑ کر دیکھا تو شیخؒ صاحب کہیں موجود نہ تھے۔ میں نے انہیں نام لے کر آوازیں دیں مگر انہوں نے

کوئی جواب نہ دیا لیکن شیخ صاحب مرحوم کی اس بے اعتنائی سے میں نے کوئی اثر نہ لیا اور جب قدم اٹھ چکا تو وہ آگے ہی بڑھتا رہا پیچھے کو نہیں لوٹا۔

شیخ صاحب نے پیٹھ دی تو اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے وسائل کے صدہا دروازے کھول دیئے اور آج یہ حال ہے کہ جونہی میری کوئی کتاب طبع ہو کر نکلتی ہے تو ہاتھوں ہاتھ اٹھ جاتی ہے میری کتابوں کے بعض ایڈیشن صرف دس دس روز کے اندر ہی ختم ہو گئے جبکہ میری کسی کتاب کا کوئی ایڈیشن تیس ہزار سے کم کبھی شائع نہیں ہوا اور مانگ کا یہ حال ہے کہ مجھے بعض طلب کرنے والوں کو ہی اجازت دے دینا پڑی کہ تم اپنی طلب خود پوری کر لو۔

صرف اڑھائی روپے

اسی ذیل میں انہوں نے اپنی زندگی کا ایک اور واقعہ بھی سنایا جو لطیفے کا لطیفہ ہے اور موعظت کی موعظت اس میں علامہ مرحوم کی استقامت بھی پیدا ہے اور عبرت کے بہت سے پہلو بھی اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے فرمایا۔ چینیانوالی مسجد میں خطابت کے ابتدائی زمانہ میں انتظامیہ نے مجھے مسجد کے لیے تحصیل زر کی اپیل کے لیے کہا اور میں جو اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتا تھا۔ میں نے بھرپور اور زوردار الفاظ میں لوگوں سے مالی تعاون کی اپیل کی اور آپ مانیں گے نہیں مگر واقعہ یہی ہے کہ میری اپیل کے جواب میں بھری مسجد سے صرف اڑھائی روپے کی رقم جمع ہو سکی۔ میں نے اپنے آپ کو ہمیشہ رجائیت سے ہی وابستہ رکھا ہے اور امید کا دامن کبھی نہیں چھوڑا یہ واقعہ اگرچہ میری زندگی کا ایک حادثہ ہی تھا مگر میں اس سے دل شکستہ ہو کر نہیں بیٹھ گیا میں نے ہمت نہیں ہاری اپنی جدوجہد جاری رکھی دن رات کام کیا بھرپور محنت کی اور پھر ایک ایسا دن بھی آیا کہ جس مسجد میں مسجد کے نمازیوں نے میری اپیل کی اڑھائی روپے قیمت ڈالی تھی اسی مسجد میں انہی نمازیوں سے میں نے صرف ایک گھنٹہ بھر کی مختصر نشست میں ۱۹½ لاکھ روپے کی خطیر رقم جمع کر لی۔

لائبریری

باتوں ہی باتوں میں کچھ علماء حضرات نے اس تکلیف کا اظہار کیا کہ ہمارے ہاں ضروری کتب کا بے حد قحط ہے اور اکثر ہی بعض ضروری کتب کی عدم موجودگی کی وجہ سے ریسرچ تشنہ اور تحقیق نا تمام رہ جاتی ہے۔ علامہ مرحوم نے فرمایا کہ کتب کی فراہمی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میری لائبریری میں ہر قسم کے علوم و فنون کی لاکھوں کتابیں جمع ہیں اور میرا خیال ہے کہ میری معلومات کی حد تک اہل علم کی ذاتی لائبریریوں میں میری لائبریری

سے بڑھ کر کوئی لائبریری موجود نہیں ہے۔

آپ میں سے جس اہل علم کو اپنی تصنیفی مہم میں کسی بھی کتاب کی ضرورت پیش آئے آپ بلا جھجک تشریف لائیں اور اپنی ضرورت کی تکمیل تک استفادہ کریں میرا یقین ہے کہ یہاں آپ کو آپ کی ضرورت کے مطابق ہر کتاب مل سکے گی۔ انشاء اللہ۔

مزید فرمایا کہ ہمارے اگلے اجلاس تک میری لائبریری اپنی اس جگہ منتقل ہو چکی ہو گی اور آپ کے لیے کھول دی جائے گی آپ دیکھیں گے تو آپ یہ معلوم کر کے خوش ہوں گے کہ وہاں آپ کی ضرورت کی ہر کتاب مہیا ہے اور آپ کے شوق کا پورا سامان موجود ہے مگر آہ پھر وہ وقت موعود نہ آسکا ؎

اے فلک پیر جواں تھا ابھی عارف
کیا ترا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

فرقے

فرمایا کہ دوسری کتابوں کی تو میں بات نہیں کرتا کہ میرے اس ذخیرۂ کتب سے بڑا ذخیرہ کسی اور کے پاس بھی موجود ہے یا نہیں مگر یہ ایک بات پوری حقیقت سے کہہ سکتا ہوں کہ فرقوں کے زیر عنوان میری لائبریری کے مقابلہ میں پوری دنیا کے اندر کوئی لائبریری موجود نہیں ہے مزید فرمایا کہ

مذاہب کی تاریخ میں جتنے بھی فرقے اب تک دریافت ہو سکے ہیں ان میں سے کوئی ایک فرقہ بھی ایسا نہیں ہے جس کا پورا لٹریچر اوّل تا آخر مری لائبریری میں موجود نہ ہو۔

آپ نے حاضرین کو بتایا کہ فرقوں کے زیر عنوان میری لائبریری میں موجود کتابوں کی گنتی ایک لاکھ تک پہنچتی ہے اور آپ نے پیشکش کی کہ میری یہ دعوت عام ہے کہ فرقوں کے مسئلہ پر جو بھی عالم دین محقق یا سکالر کوئی تحقیق یا ریسرچ کرنا چاہیے وہ میری لائبریری سے ہر وقت استفادہ کر سکتا ہے ؎

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیئے

محفل کے اندر ایک اور یادگار محفل

امیر جمع ہیں احباب حال دل کہہ لے
پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے

اجلاس کا اختتام آئندہ کے لیے یہ اصول طے کرنے پر ہوا کہ علماء کا یہ ماہانہ اجتماع ہر انگریزی مہینے کی پہلی جمعرات کو منعقد ہوا کرے گا اس کے بعد احباب ایک دوسرے سے گھل مل کر باتیں کرنے لگے مگر واقعہ یہ ہے کہ امت کے علماء کی اپنی باتیں بھی ان کے پاس پوری امت کی امانت ہوتی ہیں اس لیے یہ باہمی دوستانہ باتیں بھی محفل کے اندر ایک اور حسین محفل کی تخلیق کا موجب بن گئیں اور علامہ مرحوم کے ایک مختصر سے کمرے کی بات اچانک ہی ملک گیر حیثیت اختیار کر گئی اور بقول ؎

تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز
نغمے بے تاب ہیں تاروں سے نکلنے کیلئے

اور اس طرح یہ ضمنی محفل بھی اپنی اہمیت اپنی افادیت اور حسن و رنگ کے گوناگوں پہلوؤں کی وجہ سے ایسی ہزاروں محفلوں کے لیے وجہ رشک بن گئی۔

اب یہ بات تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم تھی کہ آج کی یہ مجلس علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ کی زندگی کی آخری اہم مجلس ہے اور اس مجلس میں تشکیل پانے والے خاکہ میں کبھی رنگ نہیں بھرا جا سکے گا۔

اور یہ بھید بھی پھر ۳۰ر مارچ کو ہی کھل سکا (جس روز علامہؒ کی وفات کا حادثہ وقوع پذیر ہوا) کہ برسوں پر پھیلے ہوئے بے شمار مسائل چند گھڑیوں پر مشتمل اس مجلس میں جو یوں سمٹ سمٹ کر جمع ہو رہے تھے تو یہ کسی آسمانی دخل کا ہی نتیجہ تھا اور مشیت ایزدی حکم و بصر و فکر نظر عبرت اور موعظت کے وہ سارے ہی ذخیرے یکجا کر رہی تھی جن کو مستقبل کے لیے نشانِ منزل بنایا جا سکے اور آنے والے لوگ جن سے راہنمائی حاصل کریں۔

اللہ اکبر کیا سچ ہے ع

مر گئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا۔

جمہوریت کی بحث

اس ضمنی بحث کو جس بات نے زندگی کی حاصل زندگی ساعتوں میں سے ایک بہترین ساعت بنا دیا وہ مباحثہ کا اہم شکل ایک دلچسپ اور نہایت درجہ اہم ایک مذاکرہ تھا جو ملک کے اندر مغربی جمہوری نظام کو قبول کر لینے یا قبول نہ کرنے کے مسئلہ پر زینت محفل بنا۔

اس مذاکرہ کے لیے پہلے سے کوئی پلان تو طے نہیں تھا مگر جب بات چلی تو یہ گفتگو

کسی بڑی سے بڑی با منصوبہ گفتگو پر کہیں فائق تھی۔ اس گفتگو کے فریقین میں ایک فریق تو خود حضرت علامہ احسان الٰہی ظہیر مرحوم ہی تھے جو اس بات کے حق میں تھے کہ بحالات موجودہ ہمیں یہ نظام قبول کر لینا چاہیئے ان کے فریقِ ثانی جماعت اہل حدیث کے ہی ایک عظیم عالم دین اور مفتی حضرت مولانا حافظ عبدالسلام بھٹوی تھے جو گوجرانوالہ میں جماعت کی سب سے بڑی درس گاہ میں استاذ کے مرتبہ پر فائز ہیں

مولانا کے نزدیک یہ نظام کسی درجہ میں اور کسی حال میں بھی قبول کرنے کے لائق نہیں ہے اور اسلام کے مزاج میں اس کے لیے کوئی گنجائش موجود نہیں ہے۔

اس فکری و نظری گفتگو کی حدود بھی فریقین گفتگو کے فکر و نظر کی طرح ہی نہایت وسیع اور آفاقیت کے حامل تھے اس مذاکرہ کا حقیقی لطف تو صرف وہی حضرات حاصل کر سکے جنہوں نے اس مذاکرہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سنا تاہم دوسروں کے لیے بھی میری کوشش یہی ہو گی کہ فریقین مذاکرہ کے اسلوب بحث اندازِ گفتگو دلائل کے مبادلِ گفتگو کے نشیب و فراز اور فریقین بحث کے مزاجوں کا اتار چڑھاؤ اپنی حد تک کسی کوتاہی کی نذر نہ ہونے دوں۔

جمہوری نظام کی بحث میں کشش اس لیے زیادہ بڑھ گئی کہ مسلمانوں کے اندر اب تک جمہوری نظام کو پذیرائی بخشنے کے لیے کبھی کوئی گرمجوشی نہیں پائی گئی تھی۔ علامہ اقبال رح نے مغرب کے جمہوری نظام کا تجزیہ بڑی خوبصورت تعریض کے ساتھ یوں کر رکھا ہے ؎

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

اور اس طرز حکومت کے بارے میں علامہ اقبال مرحوم کی اپنی رائے یہ ہے ؎

گریز از طرز جمہوری غلامے پختہ کارے شو
کہ از مغز دو صد خر لوئے انسانی نمی آئد

مگر علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ نے جب نظریہ ضرورت کے ماتحت اس نظام کو اپنا لیا تو اس کا سخت ردعمل سامنے آیا اور اہل حدیث کے بہت سے حلقوں میں علامہ مرحوم کی اس سوچ پر سخت نکتہ چینی کی گئی آج کی اس محفل میں بھی علامہ مرحوم اپنے اس مؤقف کی وضاحت کر رہے تھے اور یہاں بھی انہیں اسی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔

جبکہ علامہ مرحوم نے ایک راہ تجویز کر لی تھی اور انہیں اس بات کی کوئی پرواہ نہیں تھی کہ

دوسرے لوگ ان کے موقف کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ علامہ کی ایک موثر اور نہایت درجہ کارفرما شخصیت کے زیر اثر ان کی حمایت میں بھی ایک مضبوط حلقہ پیدا ہو چکا تھا اور بلاشبہ وہ اپنے مؤقف کی حمایت میں دلائل کا ایک انبار بھی اپنے دامانِ فکر میں موجود رکھتے تھے۔

علامہ مرحوم نے ملک کے اندر مستقبل قریب میں منعقد ہونے والے عام انتخابات میں بھرپور حصہ لینے کی بات اٹھائی اور اپنے موقف کے حق میں دلائل پیش کرنے لگے تاکہ وہ مجلس کے اندر موجود علماء کو اپنی سوچ کے ساتھ ہموار کر سکیں اور انہیں آنے والے انتخابات میں بھرپور حصہ لینے پر آمادہ کریں علامہ مرحوم نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں اپنی ملی اور مسلکی ضرورت سے ان انتخابات میں حصہ لینا چاہیئے اور اگر ہم انتخابات کو محض اس لیے مسترد کر دیں گے کہ ان کا انعقاد مغربی جمہوری طریقہ کے مطابق ہو رہا ہے تو ہم خود بھی ملک کے اندر مسترد ہو کر رہ جائیں گے۔ علامہ نے کہا کہ ہمیں ملک کے اندر زندہ رہنا ہے اور ہمیں اپنی زندگی کے لیے اسی راستہ کو اختیار کرنا چاہیئے جسے آج کے ماحول میں زندہ رکھنے کے لیے تجویز کیا گیا ہے اور جس کے بغیر کسی آبرومندانہ زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ مرحوم کی تقریر اپنے معمول کے مطابق اپنی منزل کی طرف بڑھ رہی تھی کہ مولانا لکھوی مدظلہ نے مداخلت کی اور فرمایا۔

اس جمہوری نظام کا جسے آپ نے اختیار کر لیا ہے اور جسے آپ چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی اختیار کر لیں اسلام کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے کوئی رابطہ نہیں ہے اس مغربی جمہوری نظام کے ہاں حق کا معیار صرف اکثریت ہے اور حق وہی ہے جسے اکثریت نے اختیار کر لیا ہو جبکہ اسلام کے نزدیک حق کا معیار صرف حق ہی ہے اکثریت یا اقلیت کی یہاں کوئی بحث نہیں ہے جمہوری نظام کے ماتحت اکثریت خواہ کیسی بھی ہو ظالم ہو فاسق ہو بے انصاف ہو برسرِ حق ہی سمجھی جاتی ہے اور اقلیت خواہ فرشتگانِ مقربین پر بھی مشتمل ہو اسے ناحق قرار دے کر مسترد کر دیا جاتا ہے۔

اس لیے ہم ایک ایسے نظام کو کیونکر قبول کر سکتے ہیں جو ہمیں اسلام سے دور لے جاتا ہے اور جس کا قولاً یا فعلاً کسی اعتبار سے بھی اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

جنگ مغلوبہ

علامہ مرحوم نے لوٹ کر ایک بار اپنے موقف کی پھر وضاحت کی اور مولانا سے مخاطب ہو کر کہا کہ مولانا ! مجھے افسوس ہے کہ آپ نے میری بات کو سنے بغیر ہی بات شروع کر دی آپ اگر میری بات کو توجہ سے سن لیتے تو میری بات آپ کی فہم سے بالا نہیں تھی اس کے جواب میں مولانا بھٹوی نے بھی اپنے موقف کی مزید وضاحت کی اور فرمایا علامہؒ صاحب ! اگر ہم نے اس جمہوری نظام کو قبول کر لیا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم اپنی پوری رضا مندی سے ملک بھر کے فساق و فجار کو اپنی گردنوں پر سوار کر لینے پر آمادہ ہیں اور اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم ان لوگوں کے اعمالِ بد کی ذمہ داری سے کیونکر بچ سکیں گے اور کس منہ سے ان کو ان کے اعمال شنیعہ سے باز رکھنے کی جسارت کریں گے جبکہ ہم ان کے اطوارِ بد کے بارے میں پہلے ہی سب کچھ جانتے تھے۔ پھر اس کے بعد دو علاموں کے درمیان دلائل کی جنگ مغلوبہ جاری ہو گئی اور دلائل دلائل سے یوں گتھم گتھا ہو گئے کہ مجھے پنجابی کا بڑا ہی حسبِ حال شعر یاد آ گیا آپ بھی سنئے اور لطف اٹھائیے ؎

اوہ جھٹ پٹے دو دو بیں سورمے کون جتے ہارے
اوہ مارن مٹ ودان وانگ ہو پیّاں بھارے

اس بحث کا سب سے دلچسپ پہلو حضرت علامہ مرحوم اور حضرت مولانا بھٹوی کی عمروں اور مزاجوں کا تفاوت تھا جبکہ ایک طرف دلائل پر جوانی کے گہرے سائے پڑ رہے تھے اور دوسری طرف دلائل کی اٹھان میں بڑھاپے کے اثرات نمایاں تھے۔

علامہ اور مولانا

حضرت مولانا بھٹوی ملک کی ایک عظیم علمی درسگاہ کے استاذ تھے اور حضرت علامہ مرحوم ایک عظیم ملک کی ایک عظیم جماعت کے عظیم قائد اور عظیم لیڈر تھے اور دونوں کی گفتگو میں گفتگو کے اسلوب میں وہ فرق نمایاں تھا جو ایک استاذ اور ایک لیڈر کی گفتگو اور گفتگو کے اسلوب میں ہو سکتا ہے۔ یہ ایک بڑی ہی بہار آفرین محفل تھی جس سے حاضرین میں سے ہر شخص فریقین بحث کی گفتگو کے ہر رخ سے ہی لطف اٹھا رہا تھا۔

اس مجلس میں موجود سارے ہی اہل علم حضرات ان آداب سے بہرہ ور اور ان صلاحیتوں سے مالامال تھے جو اس بحث میں شریک ہونے کے لیے شرطِ اول ہیں مگر آج ان سب لوگوں نے کچھ کہنے کی بجائے سننے اور لطف لینے کا ہی فیصلہ کر لیا تھا اور یہ سب لوگ علامہ مرحوم کی

باری پر ان کے خطاب سے لذت یاب ہوتے اور مولانا کی باری پر ان سے حظ اٹھاتے تھے۔

حضرت علامہ کی گفتگو میں شوکت کے وہ تمام پہلو موجود تھے جو ان کی تقریر کا خاصہ ہیں اور حضرت مولانا اس مجلس کے اندر بھی مدرسہ کے ماحول کو ترک نہ کر سکے تھے۔ نپی تلی بات کرتے اور اپنی بات کو جلد ختم کر دیتے جبکہ علامہ مرحوم کی بات ہر بار ہی خطاب کی سرحدوں کو چھونے لگتی تھی۔

علامہ گرجتے تو اہل مجلس کا شوق سماعت بھی اچھل پھلانگ کر ان کی سطح تک جا پہنچتا اور مولانا چٹکی لیتے تو حاضرین بھی نیچے کی منزل پر آ کر ان کی چٹکی سے لطف پاتے۔
کوئی لطف سا لطف تھا ایسے اجتماعات کبھی قسمت سے ہی نصیب ہوتے ہیں جن میں گزرنے والے ہر لمحے پر یہ شعر صادق آتا ہے کہ ؎

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

صورت حال کے اس نظارہ سے میرا تخیل مجھے پچاس برس پہلے کے متحدہ ہندوستان میں لے گیا جہاں گوناگونی کا یہ لطیف اثر منظر میری آنکھیں ایک بار پہلے بھی دیکھ چکی تھیں۔

پرانی یاد

یہاں تو بحث کے فریقین مدرس اور لیڈر تھے مگر وہاں یہ دنگل ایڈیٹر اور لیڈر کے درمیان پڑ گیا تھا مسجد شہید گنج لاہور کے انہدام کے حادثہ فاجعہ کے کچھ عرصہ بعد کا ذکر ہے مجلس احرار اسلام نے اپنی دفاعی مہم کو مستحکم رکھنے کے لیے "احرار" کے نام سے اپنا روزنامہ جاری کر رکھا تھا۔ اور مولانا مظہر علی اظہر صاحب اس کے افتتاحیے لکھا کرتے تھے۔ مولانا مظہر علی اظہر جہاں ایک قادر الکلام مقرر اور چست و چوبند لیڈر تھے وہاں لکھنے والوں میں بھی ان کا مقام بہت اونچا تھا

ایک روز مولانا غلام رسول مہر نے اپنے روزنامہ "انقلاب" میں احرار کے خلاف ایک شذرہ تحریر کر دیا اور مولانا مظہر علی ان پر جھپٹ پڑے یہ تو ظاہر ہی ہے کہ شذرات ایڈیٹر کے ذیلی ضمنی تبصروں میں ہی محسوب ہوتے ہیں اور اپنی اہمیت کے اعتبار سے ان کا درجہ اداریہ کے بعد ہی ہے مگر لیڈر نے ایڈیٹر شذرہ کے جواب میں خطابت کے اسلوب میں اور خطابت کی ہی سطح پر اپنے جہازی سائز اخبار کے پورے صفحہ پر پھیلے ہوئے دو دو کالمی مضبوط افتتاحیے لگاتار تین روز تک لکھے چوتھے روز تک لکھے چوتھے روز مولانا مہر نے ایک پانچ چھ سطری شذرہ پھر لکھا

دیا اور مولانا مظہر علی پھر افتتاحیے پر افتتاحیہ تصنیف کرنے لگے۔

یہ چکر کتنے ہی روز تک اہل ملک کی تفریح کا سامان بنا رہا۔ مولانا مظہر آہستہ سے ایک جلیبی چھوڑ دیتے اور مولانا اظہر کئی روز تک آتش بازی کرتے رہتے

مولانا چراغ حسن حسرت ان دنوں سندباد جہازی کے نام سے روزنامہ "احسان" میں "فسانئیات" کے زیر عنوان فکاہی کالم لکھا کرتے تھے انہوں نے اپنے کالم میں اس صورت حال پر خوب چسکا لیا اور لیڈر اور ایڈیٹر کے باہمی فاصلوں کی اس خوبی سے پیمائش کی اور اس باب میں اتنے چٹخارے بھرے کہ ان کا یہ کالم کتنے ہی روز تک اہل ذوق کی محفلوں میں تفریح طبع کا سامان بنا رہا۔

انہوں نے لکھا کہ لیڈر ہر جگہ ہی لیڈر ہے خواہ وہ جلسہ کی سٹیج پر ہو یا ادارت کی کرسی پر اور ایڈیٹر بہر حال ایڈیٹر ہے خواہ وہ اپنے دفتر میں ہو یا آپ اسے سٹیج پر گھسیٹ لائیں وہ تقریر بھی کرے گا تو شذرہ کی زبان میں ہی اور لیڈر شذرہ بھی لکھے گا تو خطاب کی سطح پر ہی۔ یہی صورت حال یہاں پیدا ہوئی تھی حضرت بھٹوی آہستہ سے ایک چٹکی لے لیتے اور علامہ مرحوم اپنی سطح پر رواں دواں ع

دم مست قلندر دھر رگڑا

یہ پر کیف اور بہار آفرین منظر وقت کی کمی کے سبب زیادہ دیر تک تو قائم نہ رہ سکا مگر جب تک بھی رہا اہل مجلس کی شگفتگی گلزاروں کے لیے وجہ رشک بنی رہی

دلچسپ نوک جھونک

علامہ مرحوم اپنی خطابت کے تمام تر آداب کے ساتھ فرما رہے تھے کہ اگر ہم نے اس موجودہ انتخابی نظام کی راہ میں حکومت پر قبضہ کرنے کی بنیاد نہ رکھ دی تو ہم سخت بے شعور اور احمق ثابت ہوں گے اور ہماری یہ روش ہماری مکمل بدنصیبی پہ منتج ہوگی

انہوں نے مزید فرمایا کہ پاکستان کی قسمت انہی لوگوں کے ہاتھ میں ہوگی جو اس مغربی نظام انتخاب کے ذریعے منتخب ہو کر اسمبلیوں اور دوسرے قانون ساز اداروں پر قابض ہو جائیں گے اور ملک میں پھر وہی آئین نافذ ہوگا جسے یہ لوگ نافذ کرنا چاہیں گے

اور اگر ہم یہاں پاکستان میں اسلام کا آئین نافذ کرنا چاہتے ہیں تو یہ امر نہایت ضروری ہے کہ ہم ملک کے قانون ساز اداروں میں پہنچیں کیونکہ اب یہاں اسلام باہر رہ کر نافذ نہیں ہوگا

بلکہ ان اداروں کے ذریعے اندر کی راہ سے نافذ ہوگا

آپ لوگ تو تحریک نفاذِ اسلام کے علمبردار ہیں اگر اس مرحلہ پر اپنی غلط سوچ پر بضد رہے تو پھر یہ قانونی ادارے بہرحال اپنی گنتی پوری کریں گے اور جتنے جتنے ارکان جس جس ادارہ سے خاص کئے گئے ہیں وہ بہرحال وہاں پہنچیں گے اور پھر اسلام والی کوئی بات آپ یہاں نہیں دیکھ سکیں گے پھر آپ ملک کے اندر وہی کچھ دیکھیں گے جو قانون ساز اداروں پر قبضہ کر چکنے والے لوگوں کی مرضی ہوگی۔

یقین کیجئے آپ محض جذبات سے کھیل رہے ہیں اور حقائق کو مکمل طور پر نظر انداز کر رہے ہیں پس یاد رکھئے کہ آپ اپنے جذبات کے ذریعے اس سیاسی عمل کو تو جوانِ جمہوری اداروں کی راہ سے آگے بڑھ رہا ہے کسی طرح بھی روک نہیں سکیں گے مگر آپ کی گاڑی ضرور پٹڑی سے اتر جائے گی

پس اگر آپ نے نوشتۂ دیوار نہ پڑھا اور اپنی ضد پر قائم رہے اور اس نظام کو ٹھوک دیا جس پر پاکستان کے مستقبل کی بنیاد استوار ہوگی تو میری یہ بات پلے باندھ لیجئے اور میں پھر اپنی بات کو دہراتا ہوں کہ آپ اپنی ضد سے جمہوریت کی راہ ہرگز نہیں روک سکیں گے مگر آپ کی کوتاہ اندیشی سے اس اسلام اور قرآن پر اس ملک کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند ہو جائیں گے جسے آپ اس ملک میں نافذ کرنا چاہتے ہیں۔

خوب ہی یاد رکھ لیجئے کہ اس ملک کے اندر اسلام اور قرآن کے نفاذ کا ذریعہ آج صرف یہی اسمبلیاں اور یہی قانونی ادارے ہیں اور جب تک ہم موجودہ غیر اسلامی صورت حال سے دوچار رہنے کے لیے مجبور ہیں آگے بڑھنے کا صرف یہی ایک راستہ ہے۔ اگر آپ نے اس راستہ کو اختیار نہ کیا تو زندگی کی آبرومندیاں آپ سے ٹھیک ایسے ہی منہ پھیر لیں گی جس طرح آپ آج کی سیاست سے منہ پھیر رہے ہیں۔

مولانا بھٹوی صاحب نے اس مرحلہ پر پھر مداخلت کی اور ایک آیۃ قرآنی سے علامہ مرحوم کے سلسلہ گفتگو کو معطل کر دیا۔

علامہؒ مولانا کی جانب متوجہ ہوئے اور کہا اس آیۃ مبارکہ سے آگے پڑھئے مولانا نے اگلا حصہ بھی پڑھ دیا علامہ نے کہا اور آگے پڑھیئے۔ مولانا بھی بفضلِ خدا حافظ قرآن تھے انہوں نے اگلی آیت بھی تلاوت کر دی۔

علامہ مرحوم نے مزید زور دے کر کہا اور آگے پڑھیئے انہوں نے اگلی آیت بھی پڑھ دی۔ علامہ نے فرمایا اور آگے۔

اس پر مولانا نے بیساختہ کہا آگے تو پورا قرآن پڑا ہے کہاں تک پڑھتا جاؤں؟

اور مولانا کے اس بیساختہ معصوم جواب پر محفل کشتِ زعفران بن گئی حضرت علامہؒ نے اپنی بات جاری رکھی اور فرمایا اگر آپ یہاں کچھ کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو میری بات ماننا ہوگی اور یہاں پہنچ کر علامہ مرحوم کی بات میں کافی زور کے علاوہ کافی بلندی بھی آگئی علامہ کہہ رہے تھے۔

اگر آپ نے وقت کی رفتار کو نہ پہنچانا اور وقت کے مطالبہ پر کان نہ رکھا تو وقت آگے نکل جائے گا آپ کا انتظار نہیں کرے گا اور ایسی صورت میں آپ یہاں اچھوت بن کر رہ جائیں گے اور ان الفاظ کے ساتھ علامہ مرحوم کی آواز میں زیادہ شدت آگئی اور ان کے اسلوبِ بیان کی روایت کے مطابق ان کی یہ گفتگو گونج گرج کے سانچے میں ڈھلنے لگی

مولانا بھٹوی نے باآہستگی کہا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میری پیش کردہ آیۂ قرآنی کے جواب میں اسی سطح کی کوئی دلیل پیش کرنے کے بجائے آپ مجھے اپنی آواز کے دھماکوں سے اپنی بات منوانا چاہتے ہیں

اور مجلس ایک بار پھر خوبصورت قہقہوں میں ڈوب گئی علامہ مرحوم نے مولانا کو مخاطب کرکے فرمایا۔

مولانا! یہ بدقسمتی ہے کہ میری بات آپ کی سمجھ میں نہیں آرہی مگر دوسرے لوگ میری یہ بات سنتے بھی ہیں سمجھتے بھی ہیں اور مانتے بھی ہیں۔

مولانا نے پھر ایک چٹکی لی کہ لوگ آپ کی صلاحیتوں سے مرعوب ہو جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ آپ کی صلاحیتوں سے مجھے بھی انکار نہیں ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ جس امر کی تلقین کرتے ہیں وہ بھی عین حق ہی ہے اور مجھے اب بھی اس بات پر اصرار ہے کہ آپ جس جمہوری نظام کو قبول کرنے کی تلقین فرما رہے ہیں یہ بہرحال اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتا بلکہ کہنا چاہیئے کہ اسلام کی راہ اور ہے اور اس جمہوری نظام کا راستہ دوسرا ہے۔

علامہ مرحوم نے مولانا کے جواب میں اپنے مؤقف کی مزید وضاحت کرتے ہوئے

بیان کیا تو آپ کا یہ کہنا صحیح ہے کہ جس قانون کے تحت یہ انتخابات ہو رہے ہیں یا ہوں گے یہ اسلام اور قرآن کا قانون نہیں ہے مگر یہاں سوال اس قانون کے تحت بننے والی اسمبلیوں کا نہیں بلکہ ان لوگوں کے گرد گھومتا ہے جو اس قانون کے تحت منتخب ہو کر آئیں گے اور میرا کہنا یہ ہے کہ اگر آپ نے ان لوگوں کو وہاں تک پہنچ جانے کا کھلا موقع دے دیا جس کی نہ سوچ اسلامی ہے نہ ان کو اسلام کے نظام حیات سے ہی کوئی دلچسپی ہے نہ وہ اسلام اور قرآن کے نفاذ کو اپنی زندگی کے لیل و نہار سے ہی مطابق پاتے ہیں اور نہ وہ قوانین اسلام کو اپنی زندگی کا معیار بنانا ہی پسند کرتے ہیں تو آپ ایک ایسے گناہ کا ارتکاب کریں گے جس کی تلافی پھر آپ سے کبھی نہیں ہو سکے گی اور پھر آپ کو ملک کے اندر انہی کی پسند کو پسند کرنا ہو گا۔

لیکن اگر آپ نے اپنے علم کے ساتھ ساتھ اپنی عقل کا مشورہ بھی حاصل کیا اور حالات کا ہر وقت اندازہ کر لیا تو امید کی جا سکتی ہے کہ آپ اپنی اس منزل کو پا سکیں جس پر پہنچنے کے لیے آپ دن رات بے چین ہیں۔

آپ اگر لادین عناصر کے ہاتھ سے بازی چھین لینا چاہتے ہیں تو کچھ عرصہ کے لیے اپنے سینہ پر جمہوریت کے پتھر کو گوارا کر لیجیے کہ اس وقت آپ کے لیے بہترین مشورہ یہی ہے

مزید فرمایا آپ یقین کر لیجیے کہ میں نے خوب سوچ سمجھ کر ہی یہ فیصلہ کیا ہے۔

مولانا بھٹوی صاحب نے بات کو روکتے ہوئے ایک بڑا ہی خوبصورت جملہ کہا کہ

”علامہ صاحب! سوال آپ کے فیصلہ کا نہیں بلکہ سوال قرآن و سنت کے فیصلے کا ہے“

اور مولانا کے اس جملہ پر حاضرین کے ساتھ ساتھ خود علامہ مرحوم بھی بہت محظوظ ہوئے۔

علامہ مرحوم کی تقریر جاری تھی وہ فرما رہے تھے۔

مولانا! اگر آپ اپنی عقل کو بھی اپنے علم کے ساتھ رفاقت کی اجازت دے سکیں تو بات باآسانی آپ کی سمجھ میں آ سکتی ہے مگر افسوس ہے کہ آپ نے سارا بوجھ اپنے علم پر ہی ڈال رکھا ہے عقل سے بالکل استفادہ نہیں کرتے

علامہ مرحوم کہنے کو تو یہ بات کہہ گئے مگر انہیں جلد ہی احساس ہو گیا کہ ان سے تجاوز ہوا ہے وہ میزبان ہیں اور مولانا مہمان۔

پس علامہ مرحوم نے اپنی بات کا رخ بدل دیا اب ان کے لہجہ میں ملال کا عنصر بھی

شامل تھا اور عذر خواہی بھی۔ علامہ مرحوم نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

مولانا! آپ نہیں جانتے کہ آپ کی جمعیت حکومتِ پاکستان کے لیے کسی حد تک مسئلہ بن چکی ہے یہاں بڑی بڑی صاحب ادعا جماعتیں موجود ہیں مگر حکومت نے ان کی کبھی پرواہ نہیں کی بلکہ جمعیت اہل حدیث کے ٹمپریچر کا اندازہ کرتے رہنے سے حکومت کبھی غافل نہیں رہی اور ظاہر ہے کہ اس کا کوئی قومی سبب ہی ہے۔ آپ کی جماعت سے حکومت خائف بھی ہے اور مرعوب بھی اس کی وجہ صرف آپ کی کارگزاری اور آپ کی سوچ کا نکھرا ہوا صاف ستھرا اور مثبت رخ ہے اور آپ کے عزائم کا شکوہ مزاجوں کا استقلال فیصلوں میں استحکام اور ان کی جلالت قدر ہے۔

وزیر اعظم جونیجو

اس مرحلہ پر پہنچ کر علامہ مرحوم نے بتایا کہ یہ آپ کی سیاسی سوجھ بوجھ کا ہی اثر ہے کہ حکومت کے لیے کسی اقدام سے قبل آپ کے مزاج کا اندازہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے انہوں نے بتایا کہ گزشتہ شب وزیر اعظم جونیجو لاہور آئے اور ان کی آمد کا جو مقصد ظاہر کیا گیا وہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے ملاقات تھی مگر مولانا سے ملاقات کرنے سے قبل رات کے بارہ بجے وہ یہاں میری قیام گاہ پر پہنچے تھے اور نصف گھنٹہ تک حالاتِ حاضرہ پر مجھ سے تبادلہ خیالات کرتے رہے اب یہ تو ظاہر ہے کہ مجھے نہ ان سے کوئی دوستانہ مراسم تھے نہ کوئی رشتہ داری ان سے قائم تھی وہ مجھے محض اس لیے ملنے آئے تھے کہ میں ملک کی ایک مضبوط اور مستحکم جماعت کا ناظم اعلیٰ ہوں اور وہ اس جماعت کی فعالیت سے آگاہ تھے۔

حکومت جانتی ہے کہ یہ لوگ جرأت مندی سے فیصلے کرتے ہیں پھر ان پر قائم رہتے ہیں اور اپنے فیصلوں پر عمل کرتے ہیں۔ جمعیت اہل حدیث کو اس وقت ملک کے اندر جو پوزیشن حاصل ہے اسے اپوزیشن والے بھی جانتے ہیں اور حکومت بھی اس سے آگاہ ہے اور ان حالات میں جب آپ کے پاس ایک میدان موجود ہے تو ہمیں یہاں اسلام کو نافذ کر سکنے کے کسی ذریعہ کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے اور آج یہ جمہوری نظام بھی ان ذرائع میں سے ایک بڑا ذریعہ ہے ہمیں اپنی سوچ کی راہیں نئے حالات میں نئی بنیادوں پر متعین کرنے کی مجبوری قبول کر لینی چاہیئے اور ہم اس دور کو عبوری دَور قرار دے کر اس دور سے منزل پر پہنچنے کے ذریعے کو اگر کسی عارضی عرصہ کے لیے حاصل کر لیں تو میں سمجھتا ہوں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے

اور اگر یہ جمہوریت کسی لادینی اور الحاد سے ہی عبارت ہے تو بھی ہمیں جمہوریت کے گھوڑے پر سوار ہو کر اس کو اپنی مرضی کے تابع بنا لینے کی سعی کرنی چاہیئے لیکن اگر ہماری غفلت سے اس گھوڑے پر دوسرے لوگ سوار ہوں گے اور وہ اپنے اس گھوڑے کی ٹاپوں سے ہمیں کچل کر رکھ دیں گے اور میں اپنی اس سوچ پر اس لیے زور دیتا ہوں کہ پاکستان میں اس راہ کو اختیار کئے بغیر کامیاب زندگی گزارنے کی کوئی دوسری متبادل راہ موجود ہی نہیں ہے اگر آپ نے یہ موقع کھو دیا تو پھر سوائے پشیمانی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

آخری نکتۂ بحث

وقت بہت گزر چکا تھا اور رشر کا مجلس میں سے بعض احباب کا سفر بھی دور کا تھا اس لیے اب بحث کو سمیٹنے کی مجبوری تھی بنا بریں مولانا بھٹوی صاحب کا یہ نکتۂ بحث آخری نکتہ بحث ہی تھا جب مولانا نے سوال اٹھایا کہ۔

" فرض کیجیۓ آپ اس نظام کو نظریہ ضرورت کے تحت اختیار کر لیتے ہیں اور ہم یہ بھی مان لیتے ہیں کہ آپ اپنی ہمت سے قانون ساز اداروں کے لیے اپنے پانچ دس ارکان بھی منتخب کرا لیتے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ آپ کے یہ پانچ یا دس ارکان تین چار سو اراکین پر مشتمل مخالف مسلک ارکان کے ایوان میں آپ کے لیے کیونکر کوئی اچھی خبر پیدا کر سکتے ہیں جبکہ اس نظام کے تحت ع

بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے۔

علامہ مرحوم کا جواب

علامہ مرحوم نے حضرت بھٹوی کے نکتہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مولانا، اول تو ہمارے اراکین کی تعداد اتنی قلیل نہیں ہوگی کہ وہ ایوان میں کسی غریب الوطن کی حیثیت سے پہچانے جائیں لیکن اگر ہماری تعداد ایوان کے اندر قلیل بھی ہوئی تب بھی میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی یہ اقلیت ایوان کی کسی بڑی سے بڑی طاقتور اکثریت کو اپنی مرضی کے خلاف ایک قدم بھی چلنے نہیں دے گی ان شاء اللہ آپ صرف وہاں پہنچنے کی کوشش کیجئے آپ دیکھیں گے کہ خود حکومت بھی اپنے تمام تر شکوہ کے باوجود آپ کو کسی مرحلہ پر نظر انداز نہیں کر سکے گی آپ بلا شبہ اقلیت میں ہوں گے۔ لیکن اکثریت ہمیشہ آپ کی محتاج رہے گی اور آپ کو پوچھ کر چلنے کے لیے اپنے آپ کو مجبور پائے گی۔ یہ ٹھیک ہے کہ آپ وہاں اقلیت میں ہوں گے مگر آپ کی یہ اقلیت پورے ملک کے

قانون ساز اداروں میں اوپر سے لے کر نیچے تک ہر جگہ ہی حاکم ہو گی اور حاکم کی حیثیت سے ہی اپنی مرضی چلائے گی ۔

آپ وہاں صرف اس جماعت کی حمایت کریں گے جو آپ کے اور آپ کے مؤقف کے لیے احترام پیش کر سکے گی اور پھر وہ جس پلڑے میں اپنا قدم رکھے گی وہی پلڑا بھاری ہو گا اور وہاں کی ہر حکومت اور ہر جماعت آپ سے یہی چاہے گی کہ آپ اس کی حمایت کریں اور پھر آپ اپنی اس حمایت کے عوض قرآن و سنت کے جس جس صفحہ پر بھی اپنی حلیف طاقت سے دستخط طلب کریں گے اسے اس سے انکار نہیں ہو گا وہاں کے سب لوگ آپ کے در کے بھکاری ہوں گے ۔

بلاشبہ قرآن و سنت کی منزل تک پہنچنے کے لیے یہ راہ بڑی طویل ہے لیکن اگر کوئی بااختیار شخص اپنے اختیار کو کام میں نہ لائے اور قرآن قرآن پکارنے کے باوجود قرآن سے انحراف جاری رکھے اسلام کے نفاذ کے نام پر اسلام کا حلیہ بگاڑے اسلام سے استہزا کرے تو ظاہر ہے کہ پھر بامر مجبوری یہ طویل راستہ ہی اختیار کرنا پڑے گا علامہ نے کہا میں پھر کہتا ہوں کہ میں اس جمہوریت کو اسلام نہیں سمجھتا اور اس جمہوری نظام کو کتاب و سنت قرار نہیں دیتا مگر میری سوچ مجھے یہی بتلاتی ہے کہ ہم اسلام کو یہاں اب اس جمہوریت اور اس جمہوری نظام کے ذریعے ہی حاکم بنا سکتے ہیں اور بحالات موجودہ اسلام کے یہاں داخلہ کی کوئی دوسری راہ موجود نہیں ہے ۔

۱۱ بجے دوپہر سے اب سہ پہر کے چار بجے تھے پانچ گھنٹے کی اس طویل نشست میں صرف کھانے کا مختصر سا وقفہ آیا تھا کام کی زیادتی اور وقت کی کمی کے سبب ظہر اور عصر کی نمازوں کو یکجا کر لیا گیا تھا ۔ چار بجے کے بعد اہل مجلس اگلے مہینے کے اجتماع میں شرکت کا شوق لے کر اپنی اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گئے ۔ مگر آہ یہ شوق پھر ناتمام ہی رہا اور اس شوق کی تکمیل کے لیے جو تاریخ مقرر کی گئی تھی وہ پھر کبھی نہ آ سکی ۔

بہار آخر شد

اس اجلاس کے ٹھیک پانچ روز بعد ۲۳ مارچ کو اہلحدیث یوتھ فورس قلعہ لچھمن سنگھ راوی روڈ لاہور کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان جلسہ عام نماز عشاء کے بعد منعقد ہوا جس میں جمعیت اہل حدیث پاکستان کی وہ قیادت جو جمعیت اہل حدیث کی رگوں میں لہو کا درجہ رکھتی تھی اور جسے جمعیت اور یوتھ فورس کے جسم میں رگ جاں

کی حیثیت حاصل تھی اس کا ایک بڑا حصہ بم کے ایک خوفناک دھماکے کے نتیجے میں ختم ہو کر رہ گیا۔

رات گیارہ بجے کا وقت تھا علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ کی تقریر اپنے شباب پر تھی۔ علامہ مرحومؒ اپنی تقریر میں موقع ومحل کے مطابق بڑے خوبصورت شعر بھی پڑھا کرتے تھے اس موقع پر بھی وہ علامہ اقبالؒ کا یہ شعر پڑھ رہے تھے کہ ؎

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑ.......

اور بات ابھی اس لفظ لڑ سے آگے نہ چل سکی تھی کہ اچانک ہی پاس پڑے گلدان سے ایک محشر اثر دھماکہ ہوا کہ جلسہ گاہ کا پورا اردگرد لرز اٹھا اور ماحول زہریلے دھوئیں میں ڈوب گیا جس میں لاشیں تھیں زخمی تھے چیخ وپکار تھی اور آہ وبکا تھی۔

یوتھ فورس کے شیر دل قائد جناب محمد خان نجیبؒ اور اہل حدیث کے ایک مایہ ناز عالم دین جناب مولانا عبدالخالق قدوسیؒ چار دوسرے کارکنوں کے ساتھ وہیں شہادت کے مرتبہ تک پہنچ گئے حضرت علامہ اور مولانا حبیب الرحمٰن یزدانیؒ کو زخمیوں میں پایا گیا جو بم کے دھماکے سے سٹیج سے بہت دور جا پڑے تھے۔

زخمیوں کو فی الفور ہسپتال پہنچایا گیا جہاں مولانا یزدانیؒ اگلی شام کو بحالت بیہوشی ہی اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے

حضرت علامہؒ کو چند روز بعد خطرناک حالت میں لاہور سے ریاض (سعودی عرب) لے جایا گیا اور انہوں نے وہاں ۳۰ مارچ کو اپنی جاں جان آفرین کے سپرد کر دی انا للہ وانا الیہ راجعون زندگی ختم ہو گئی اور ساتھ ہی زندگی کے سارے پلان بھی ختم ہو گئے تمنائیں ناکام رہ گئیں۔ اور آرزوؤں کے چراغ بجھ گئے۔ وہ زبان خاموش ہو گئی جو اپنے سننے والوں کے سینوں میں بھونچالوں کی تخلیق کرتی تھی جس کے نعروں سے اپنوں کے دل خوشی سے اچھلتے اور مخالف خوف سے کانپتے تھے۔ ہائے کتنی دردناک صورت حال ہے اور مرزا غالب نے بھی کتنا دردناک نقشہ کھینچا ہے جب کہا سے

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط
دامانِ باغبان وکفِ گل فروش ہے
لطفِ خرام ساقی وذوقِ صدائے چنگ
یہ جنتِ نگاہ وہ فردوس گوش ہے
یا صبحدم کو دیکھیئے آکر تو بزم میں
نے وہ سرور وسوز نے جوش وخروش ہے
داغِ فراقِ صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے